بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا سعد صاحب پر ہونے والے اعتراضات کی تحقیق

(من جانب مولانا محمد سلمان صاحب، مظاہر علوم، سہارنپور)

(۲۲ر ربیع الاول ۱۴۳۸ھ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد: گذشتہ دنوں عزیز محترم مولانا محمد سعد صاحب سلمہ اللہ تعالی کے تبلیغی بیانات کے بعض قابل اشکال اقتباسات کے سلسلہ میں احقر نے اپنے بعض ذی علم احباب کوجن میں استاذ حدیث بھی تھے، اس بات کی طرف متوجہ کیا تھا کہ عزیز محترم سلمہ اللہ تعالی کی طرف سے آئی ہوئی تحریر جسمیں انھوں نے اپنے بیان کے اصل اور مراجع کا ذکر کیا ہے، لیکن ان میں اجمال بھی ہے، اور زیادہ تر اشارات ہیں، وہ ان معلومات کی تفصیل کے ساتھ تحقیق فرمائیں۔ خاص طور سے حوالہ جات کو جمع فرمادیں، تاکہ واقعی کوئی چیز قابل اصلاح ہو، تو اسکی اصلاح کرلی جائے۔ کہ کہیں کوئی غلط بات امت میں نہ چل پڑے۔ چنانچہ احباب نے اسکی تحقیق بھی کی، اور حوالہ جات جمع بھی کیئے۔

اب ترتیب وار اعتراضات اوران کے جوابات، یارجوع پیش کیئے جاتے ہیں۔

اعتراض (۱۔۲) مولانا کے بیانات کے بعض اقتباسات پر بعض علماء کرام کو تفسیر بالرائے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شانِ اقدس میں بے ادبی کا اشکال ہوا۔

جواب : تفسیر بالرائے قرآن کریم کے معانی ومراد کو واضح کرنے میں جو بات محض عقل کی بنیاد پر کہی جائے، جس کا قرآن وسنت کے علوم سے کوئی تعلق نہ ہو، اسکو تفسیر بالرائے کہتے ہیں۔

معارف القرآن (۱ر۴۷) میں بحوالۂ اتقان مآخذِ تفسیر (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اقوالِ صحابہ (۴) وتابعین اور (۵) لغتِ عرب کو بیان کرنے کے بعد تحریر ہے کہ: تفسیر کا آخری ماخذ تدبر اور استنباط ہے ۔قرآن کریم کے نکات واسرار ایک ایسا بحرِ ناپیدا کنار ہے، جسکی حدونہایت نہیں۔ چنانچہ جس شخص کو اللہ تعالی نے اسلامی علوم میں بصیرت عطا فرمائی ہو وہ جتنا جتنا اسمیں غور وفکر کرتا ہے، اتنے ہی نئے نئے اسرار ونکات سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ مفسرین کرام اپنے اپنے تدبر کے نتائج بھی اپنی تفسیروں میں بیان فرماتے ہیں۔لیکن یہ اسرار ونکات اسی وقت قابلِ قبول ہوتے ہیں جب کہ وہ مذکورہ بالا پانچ مآخذ سے متصادم نہ ہوں۔

عصمتِ انبیاء علیہم الصلوات والسلام۔

اس نازک مسئلہ کے حوالے سے حضرات اہل علم کی بعض عبارتیں پیش ہیں۔

علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر (۱۴ر۱۵۲) میں فرماتے ہیں وقال بعض المتأخرين من علمائنا والذی ينبغی

ان يقال ان الله تعالى قد اخبر بوقوع ذنوب من بعضهم ونسبها اليهم وعاتبهم عليها واخبروا بذلک عن نفسوهم وتنصلوا منها واستغفروا منها وتابوا۔ وکل ذلک ورد فی مواضع کثیرۃ لا یقبل التا ویل جملتها وان قبل ذلک آحادها وکل ذلک مما لا یزری بمنا صبهم وانما تلک الامور التی وقعت منهم علی جهة الندور وعلی جهة الخطأ والنسیان او تاویل دعا الی ذلک فهی با لنسبة الی غیرهم حسنات وفی حقهم سیأ ت با لنسبة الی منا صبهم وعلو اقدارهم اذ یوأخذ الوزیر بما یثاب علیه السا ئس فا شفقوا من ذلک فی موقف القیامة مع علمهم با لامن والامان والسلامة قال وهذا هو الحق ولقد احسن الجنید حیث قال حسنات الابرار سیأ ت المقربین فهم صلوات الله وسلامه علیهم وان کا نوا قد شهدت النصوص بوقو ع ذنوب منهم فلم یخل ذلک بمنا صبهم ولا قدح فی رتبتهم بل قد تلا فا هم واجتباهم وهداهم ومدحهم وزکاهم واختارهم واصطفاهم صلوات الله علیهم وسلامه۔

اسی سلسلہ میں علامہ انورشاہ کشمیریؒ فیض الباری (۵/۲۱۱) پر تحریر فرماتے ہیں ثم ان ههنا سرا وهو ان تلک کلمة صدرت من غا یة لطفه ونهایة محبته وفرط علا قته مع الرسل فا ن الالزام لا یعطی الالمن یرجی منه خلا فه اما من لا اعتماد لک علیه فا نت لا تلقی له با لا ولا تعنقه ولا تلو مه ولا تعاتبه بشئی ولکن من کان صاحب سرك فانت لا تغفرله ادنی غفلة عنک وتؤاخذه بالنقیر والقطمیر۔

مندرجہ بالاعبارات علما سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعض باتیں جو عامیوں کیلئے جائز ہوتی ہیں وہ مقربین و متعلقین کیلئے وجہِ عتاب بن جاتی ہیں۔ اور یہ عتاب انکے تقرب الی اللہ اور تعلق مع اللہ کی دلیل ہوا کرتا ہے، جو انھیں عام مسلمانوں سے ممتاز کرتا ہے۔

جن آیات کی تفسیر کے پیشِ نظر مندجہ بالا دونوں اعتراض تفسیر بالرائے یا عصمتِ انبیاء وارد ہوئے ہیں، اب ان آیات کی تفسیر درج کی جارہی ہے۔

(۱) آیت قرآنی: وما اعجلک عن قومک یا موسی (سورة طٰهٰ/ ۸۵)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا نے فرمایا حضرت موسیٰؑ قوم اور جماعت کو چھوڑ کر حق تعالیٰ کی مناجات کیلئے جلدی چلے گئے تھے، جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کے پانچ لاکھ اٹھاسی ہزار افراد گمراہ ہوگئے۔

مولانا نے بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب حضرت موسیٰؑ کی جس عجلت کو سمجھا بہت سے اکابر مفسرین اسی کے سبب ہونے کی تصریح کر رہے ہیں پھر یہ بے ادبی کیسے ہوئی!؟

چنانچہ امام رازی اپنی تفسیر (جلد۲۲،صفحہ۹۸) میں تحریر فرماتے ہیں۔وعلی الآیة ای وماعجلک عن قومک یاموسی۔سؤالات۔ السؤال الاول۔قوله وماعجلک استفهام وهوعلی اللّٰه محال الجواب انه انکار فی صیغة الاستفهام ولا امتناع فیه ۔السؤال الثانی۔ان موسی علیه السلام لا یخلواماان یقال انه کان ممنو عاعن ذلک التقدم اولم یکن ممنو عاعنه فان کان ممنو عاکان ذلک التقدم معصیة، فیلزم وقوع المعصیة من الانبیاء وان قلنا انه ماکان ممنوعاکان ذلک الانکار غیر جائز من اللّٰه تعالی۔ والجواب لعله علیه السلام ماوجد نصا فی ذلک الاانه باجتهاده تقدم فاخطأ فی ذلک الا جتهاد فاستوجب العتاب۔

تفسیر بیضاوی (۲۵/۲،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) میں ہے: (وما اعجلک عن قومک یا موسی) سؤال عن سبب العجلة یتضمن انکارها من حیث انها نقیصة فی نفسها انضم الیها اغفال القوم وایهام التعظم علیهم ۔

اورغوثِ ربانی امام صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی اپنی تفسیر جو کہ مکتبہ معروفیہ کوئٹہ پاکستان سے چھپی ہے اس کی (۱۵۸/۳۔۱۵۹) میں تحریرفرماتے ہیں۔فقال له سبحانه تنبیها علیٰ استعجاله واضطرابه فی أمره (وماأعجلک عن قومک) ای شئ أسبقک (عن قومک) المستکملین برفاقتک (یاموسی) المرسل لتکمیلهم بل من حقک أن تجئ معهم مجتمعین۔قال تبارك و تعالی: اذافارقتهم وترکتهم صرت سببالوقوعهم فی البلاء العظیم(فاناقدفتنّا)ابتلینا(قومک) الذین أبقیتهم مع أخیک أی بعد خروجک من بینهم بعبادة غیرنا فأشرکوا بنا۔

اورشیخ اکبرعلامہ ابن عربی اپنی تفسیر (ج۲،صفحہ۵۵) میں فرماتے ہیں۔وما اعجلک عن قومک الی قوله۔ فی الیم نسفا۔ معناه علی التحقیق، ان موسی علیه السلام لماشرف بمقام المکالمة واوتی کشف الصفات، وبعث لانقاذ بنی اسرائیل، وارشادهم الی الحق، وعدشریعة یسوس بهاقومه، فاستخلف هارون علی قومه، وتخلی للمراقبة قبل تثبتهم علی الایمان، وتقریرهم علی الحق بالایقان، فعوقب علی تلک العجلة، وان کانت من غایةالشوق الی المشاهدة، واقتضاء المقام عدم التفرغ الی تکمیل الغیر لان فی تکمیلهم بالمعر فة الیقینیة، والکمال العلمی ثبات قدمه فی الطاعة وامتثال الامر المستلزم الترقی فی الحال، فاعتذر بکونهم علی متابعة فی الدین وان لم تبن معاملتهم علی اساس الیقین۔

اورتفسیر مظہری (۱۵۶/۶،زکریا بکڈ پودیوبند) میں ہے: فا ن قیل ” فانا قد فتنا “ مرتب علی قوله ”عجلت الیک “والتقدیر اذا عجلت الی فاناقد فتنا قومک وهذالکلام یقتضی کو ن

العجلة سببا للفتنة اذالفاء للسببية فما وجه هذه السببية قلت لعل وجه ذلک ان الانبياء علیهم السلام ارسلوا لهداية الخلق بوجهين ظا هرا بدعوتهم الى الا سلام وتعليمهم الاحكام وبا طنا بجذ بهم الى الله عما سواه وافاضة نور الايمان والمعرفة فى قلو بهم حتى ينشرح صدورهم للايمان ويرؤون الحق حقا والبا طل باطلا ولا يتم ذلک الا عند كمال توجههم الى الخلق بشراشرهم ولما كان عجلة موسىؑ الى الله تعالى مبنيا على غلبة المحبة والشوق وسكر ذلک انقطع عند ذلک توجه با طنه عن الامة فحينئذ وقع امة فى الفتنة والضلال۔

اورروح المعانی(۵۹۵/۸،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ)میں ہے : ما اعجلک عن قومک يا موسى الاشا رة فيه انه ينبغى للرئيس رعاية الاصلح فى حق المرؤوس وللشيخ عدم فعل ما يخشى منه سوء ظن المريد لا سيما اذا لم يكن له رسوخ اصلا۔

اورروح المعانی(۵۵۲/۸،دارالکتب العلمیۃ)میں ہے۔قوله تعالى وماعجلک۔مانصه۔والمتبادر ان يكون للانكار وفى الانتصاف ان المرادمن سؤال موسى عليه السلام عن سبب العجلة۔ وهوسبحانه اعلم۔ ان يعلمه ادب السفر وهوانه ينبغى تاخر رئيس القوم عنهم ليكون بصره محيطا بهم ومهيمنا عليهم وهذاالمعنى لايحصل مع التقدم الاترى كيف علم اللّٰه تعالى هذا الادب لوطافقال سبحانه : واتبع ادبارهم(الحجر، ۶۵) فامره عز وجل ان يكون آخر هم على ان موسى عليه السلام انما اغفل هذا الامر مبادرة الى رضا اللّٰه تعالى ومسارعة الى الميعاد۔

اورتفسیرِمراغی(۱۳۸/۱۶) پرہے: والمراد (بهذالسوال) الانكار عليه (اى على موسىؑ) لا ن ذلک يقتضى اغفال امرهم وعدم العناية بهم مع انه مامور با ستصحابهم واحضارهم معه وانكار للعجلة فى ذاتها ايضا ولا سيما من اولى العزم الذين يجدر بهم مزيد الجزم۔

اورزہرۃ التفاسیر(ج۔۹)میں ہے:الفاء للسببية اى بسبب غيبتک وعدم قيامک بحق الرقابة النفسية عليهم التى مكناك منها۔

اورابن عاشوراپنی تفسیر التحریروالتنویر(۲۷۷/۱۶۔۲۷۸،مطبوعہ دارسحنون للنشر والتوزیع،تونس)میں لکھتے ہیں:قوله تعالى، وماعجلک عن قومک ياموسى۔ مانصه۔والاستفهام مستعمل فى اللوم والذى يؤخذ من كلام المفسرين و تشير اليه الآية ان موسى تعجل مفارقة قومه ليحضر

الی المناجاة قبل الابان الذی عینه اللّٰہ له اجتهادا منه ور غبة فی تلقی الشریعة حسبما وعده اللّٰہ قبل ان یحیط بنو اسرائیل بجبل الطور ولم یراع فی ذلک الا السبق الی مافیه خیر لنفسه ولقومه فلامه اللّٰہ علی ان غفل عن مراعاة مایحف بذلک من ابتعاده عن قومه قبل ان یوصیهم اللّٰہ بالمحافظة علی العهد ویحذرهم مکر من یتوسم فیه مکرا.....وکان ذلک سبب افتتان قومه بصنع صنم یعبدونه....وقوله هنا "هم اولاء علی اثری" یدل علی انهم کانواسائرین خلفه وانه سبقهم الی المناجاة واعتذر عن تعجله بانه عجل الی استجابة امر اللّٰہ مبالغة فی ارضائه، فقوله تعالی : فانا قد فتنا قومک من بعدک فیه ضرب من الملام علی التعجل بانه تسبب علیه حدوث فتنة فی قومه لیعلمه ان لایتجاوز ما وقت له ولوکان لرغبة فی ازدیاد من الخیر۔

اورتفسیر قاسمی المسمی بمحاسن التاویل (۱۸۴/۷،مطبوعہ دارالفکر) میں ہے: وقال الناصر: انما اراد الله تعالی بسؤاله عن سبب العجلة وهو عالم ان یعلم موسیٰؑ ادب السفر وهو انه ینبغی تأخر رئیس القوم عنهم فی المسیر لیکون نظره محیطا بطائفته ونافذا فیهم ومهیمنا علیهم وهذاالمعنی لا یحصل فی تقدمه علیهم الاتری الله عز وجل کیف علم هذاالادب لوطا فقال واتبع ادبارهم (سورة الحجر/۶۵)فامره ان یکون اخیرهم علی ان موسیٰؑ انما اغفل هذاالامر مبادرة الی رضاء الله عز وجل ومسارعة الی المیعاد۔

اورسرخیل علماء دیوبند مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن (۱۳۴/۶) میں تحریر فرماتے ہیں "آپؑ کے منصب رسالت کا تقاضہ یہ تھا کہ قوم کے ساتھ رہتے ،انکواپنی نظر میں رکھتے ،اور ساتھ لاتے ،آپ کی عجلت کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کردیا۔

اوراستاد تفسیر دارالعلوم دیوبند مولانا جمال الدین بلندشہری اپنی تفسیر جمالین (۲۰۲/۴) میں تحریر فرماتے ہیں: مقصد استفہام نہیں ہے،گوصیغہ استفہام کا ہے بلکہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ آپ کے منصب رسالت کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ قوم کے ساتھ رہتے اور ان پر نظر رکھتے۔آپ کی عجلت کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کردیا۔

اورتفسیر روح المعانی میں یہ صراحت ہے کہ چھ لاکھ میں سے پانچ لاکھ اٹھاسی ہزارلوگ فتنہ کا شکار ہو گئے ۔صرف بارہ ہزار ثابت قدم رہ سکے۔

ان تمام تفسیروں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ "وما اعجلک" میں استفہام انکاری ہے اور "فانا قدفتنّا" میں فاء سببیہ ہے البتہ بعض تفسیروں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ استفہام تقریری ہے اور فاء فصیحہ ہے لیکن وہ اتنی کثیر تفسیروں کے مقابلہ میں مرجوح معلوم ہوتا ہے۔

ملاحظہ۔اس سلسلہ میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ''وما اعجلک عن قومک یا موسی ''میں قوم سے مراد پوری قوم ہے یا ستر نقباء؟ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ پوری قوم مراد ہے اور بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ستر نقباء مراد ہیں اس سلسلہ میں قول فیصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''وما اعجلک عن قومک ''میں پوری قوم مراد ہے البتہ جب سامری نے ان کے اکثر لوگوں کو گمراہ کر دیا تو ستر نقباء کو اعتذار کی غرض سے حضرت موسی علیہ السلام لیکر گئے جن میں حضرت ھارونؑ بھی ساتھ تھے ۔ چنانچہ درِمنثور (۵۶۹/۵) میں ہے:واخرج ابن ابی عمر العدنی فی مسنده وعبد بن حميد والنسائی وابويعلی وابن جرير وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردويه عن سعيد بن جبير رصی اللّٰه عنه قال: سالت ابن عباس عن قول اللّٰه تعالی لموسی عليه السلام: (وفتناك فتونا)فی حديث طويل جدا وفيه:فاستيقن بنو اسرائيل بالفتنة واغتبط الذين كان رأيهم رأی هارون فقالوا: يا موسی سل ربک ان يفتح لنا باب توبة نعملها ونكفر عنا ماعملنا (فاختار موسی من قومه سبعين رجلا) ۔ اور ابن کثیر کا میلان بھی یہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہی حدیث اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ اور انہی کی دوسری کتاب البدایۃ والنھایۃ (۴۲۳/۱،مطبوعہ دار ابی حیان) میں ہے: عن ابن عباس والسدی وغيرهما: ان هؤلاء السبعين كانو علماء بنی اسرائيل ومعهم موسی و هارون ويوشع و ناداب و ابيهوا ذهبوامع موسی عليه السلام ليعتذروامن بنی اسرائيل فی عبادة من عبدمنهم العجل۔ اور امام بغوی نے اپنی تفسیر (۲۳۷/۲) میں اور امام شوکانی نے فتح القدیر (۲۸۶/۲) میں اور بیضاوی اور صاحب جلالین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۲) آیت قرآنی: اذكرنی عند ربک فانساه الشيطان ذكر ربه فلبث فی السجن بضع سنين (سورۃ یوسف/۴۲)

مولانا نے اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ مدت قید کے دراز ہونے کا سبب بادشاہ کے یہاں عرضی لگوانا بنا، کہ یوسفؑ کی شان نبوت اس سے بہت بلند ہے کہ غیر اللہ سے ذرا سی بھی امید رکھی جائے۔

مذکورہ آیت کی تفسیرِ ماثور عرض خدمت ہے۔ ففی الدر المنثور (۵۴۱/۴،مطبوعہ دار الفکر) اخرج ابن ابی الدنيا فی كتاب العقوبات وابن جرير والطبرانی وابن مردويه عن ابن عباسؓ قال قال ﷺ لولم يقل يوسفؑ الكلمة التی قال مالبث فی السجن طول ما لبث حيث يبتغی الفرج من عند غير الله تعالی۔

واخرج عبد الرزاق وابن جرير وابوالشيخ عن عكرمة قال قال ﷺلو لا انه يعنی يوسفؑ قال الكلمة التی قال ما لبث فی السجن طول مالبث ۔

واخـرج ابـن الـمـنذر وابن ابى حاتم وابن مردويه عن ابى هريرةؓ قال قال ﷺ رحم الله يوسف لو لم يقل اذكر نى عند ربک ما لبث فى السجن طول ما لبث ۔

واخـرج احمد فى الزهد وابن جرير وابن المنذر وابن ابى حاتم وابو الشيخ عن الحسن قـال ذكـر لـنـا ان نبى الـلـه ﷺقـال رحـم الـلـه يوسف لـو لا كـلمته ما لبث فى السجن طول مالبث قوله اذكرنى عند ربک ثم بکیٰ الحسن وقال نحن اذا نزل بنا امر فزعنا الى الناس۔

واخـرج ابـن جـريـر وابـو الـشيخ عـن قتـادةؒ قال ذكر لنا ان نبى الله ﷺ قال لو لا ان يـوسف استشـفع على ربه ما لبث فى السجن طو ل ما لبث ولكن انما عو قب با ستشفاعه على ربه ۔

واخـرج ابـن ابى شيبة وعبـد الله بن احمد فى زوائد الزهد وابن المنذر وابن ابى حاتم وابـو الشيـخ عـن انــسؓ قـال اوحى الـى يـوسفؑ مـن استـنـقـذك من القتل حين هم اخوتک ان يـقتلوك؟قال انت يا رب قال فمن استنقذك من الجب اذا القوك فيه؟ قال انت يا رب قال فـمـن استـنـقـذك مـن الـمـرأة اذ هـممت بها؟ قال انت يا رب قال فما لـک نسيتنى وذكرت آدميـا؟ قـال جزعـا وكلمة تكلم بها لسانى قال فوعزتى لاخلدنک فى السجن بضع سنين فلبث فى السجن بضع سنين ۔

واخـرج ابن جرير وابن ابى حا تم وابو الشيخ عن الحسن قال لما قال يوسفؑ للساقى اذكر نى عند ربک قيل له يا يوسف اتخذت من دونى وكيلا لأطيلن حبسک فبكى يوسفؑ وقال يا رب تشاغل قلبى من كثرة البلوى فقلت كلمة ۔

واخـرج ابـن ابى شيبة وابـن جـريـر وابـن الـمـنذر وابن ابى حاتم عن مجا هد فى قوله تـعـالـى وقـال لـلـذى انه نـاج مـنـهما اذكر نى عند ربک قال يوسف للذى نجا من صاحبى السـجـن اذكـر نـى لـلـملک فلم يذكره حتى رأ ى الملک الرويا وذالک ان يوسف انساه الشيـطان ذكر ربه وامره بذكر الملک وابتغاء الفرج من عنده فلبث فى السجن بضع سنين عقوبة لقوله اذكر نى عند ربک ۔

واخـرج ابـن مـردويـه من طريق ابى بكر بن عياش عن الكلبى قال قال يوسف كلمة واحدة حبس بها سبع سنين قال ابو بكر وحبس قبل ذلک خمس سنين ۔

واخرج عبد الله بن احمد فى زوائد الزهد عن عبد الله مؤذن الطائف قال جاء جبريلؑ الـى يـوسفؑ فـقال يا يوسف! اشتد عليک الحبس؟ قال نعم قال قل اللهم اجعل لى من كل

ما اهمنی وکربنی من امر دنیای وامر آخرتی فرجا ومخرجا وارزقنی من حیث لا احتسب واغفر لی ذنبی وثبت رجائی واقطعه من سواك حتی لا ارجو احدا غیرك۔

لیجیے جسکو تفسیر بالرای کہا جا رہا ہے، تفسیر ماثور میں اسکے علاوہ کچھ مذکور ہی نہیں۔ کیونکہ مذکورہ بالا پورا کلام الدر المنثور فی التفسیر المأثور سے ماخوذ ہے، جس میں صرف تفسیر ماثور ہی کو جمع کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوگیا کہ مذکورہ تفسیر آپ ﷺ سے شہرت کے درجہ تک پہونچ چکی ہے۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس تفسیر پر سلف کا اجماع ہے۔ بلکہ امام مجاہدؒ نے تو جیسا کہ ان سے اوپر نقل کیا گیا، حد ہی کردی، کہ (انساہ الشیطان) میں ضمیر کا مرجع یوسفؑ کو بنا کر مذکورہ تفسیر قرآن کی عبارۃ النص سے ثابت کردی۔ اور ابن جریر طبری نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ فقال فی تفسیرہ (ج ۷، ص ۱۳۲، مطبوعہ دار المعرفہ، لبنان) قولہ فانساہ الشیطان ذکر ربه هذا خبر من الله جل ثنائه عن غفلة عرضت لیوسف من قبل الشیطان نسی لها ذکر ربه الذی لو به استغاث لاسرع بما هو فیه خلاصه ولکنه زل بها فاطال من اجلها فی السجن حبسه واوجع لها عقوبته۔

البتہ ابن جریر نے (۲۲۴/۱۲) پر محمد ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ انکی رائے یہ ہے کہ ''انساہ'' کی ضمیر کا مرجع ساقی ہے۔ لیکن اس رائے کو انھوں نے بطور مرجوح کے پیش کیا ہے۔ بلکہ تفسیر بغوی (۴۲۸/۲، دار المعرفة لبنان) میں ہے: قال ابن عباسؓ (وعلیه الاکثرون): انسی الشیطان یوسف ذکر ربه حتی ابتغی الفرج من غیرہ۔

نیز شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر میں مدت قید دراز ہوجانے میں بطور حکمت وغیرہ یہ تحریر فرماتے ہیں: لیکن ہر ایک شر میں حق تعالی کوئی خیر کا پہلو رکھ دیتا ہے، یہاں بھی گو اس نسیان کا نتیجہ تطویلِ قید کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ کی نکتہ آفرینی کے موافق اس میں یہ تنبیہ ہوگئی کہ ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ بلکہ ابن جریر اور بغوی (ج ۴۲۸/۲، مطبوعہ دار المعرفہ، لبنان) وغیرہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ '' فانساہ الشیطان ذکر ربه '' کی ضمیر یوسف کی طرف راجع کرتے ہیں۔ گویا '' اذکرنی عند ربک '' کہنا ایک طرح کی غفلت تھی، جو یوسف کو عارض ہوئی۔ انھوں نے قیدی کو کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا، حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے رب سے فریاد کرتے۔ بیشک کشفِ شدائد کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کی مباشرت مطلقا حرام نہیں ہے۔ لیکن ابرار کی حسنات مقربین کی سیأت بنجاتی ہیں۔ جو بات عامۃ الناس بے کھٹکے کر سکتے ہیں، انبیاءؑ کے منصب عالی کے اعتبار سے وہی بات ایک قسم کی تقصیر بن جاتی ہے۔ امتحان وابتلاء کے موقع پر انبیاء کی شان رفیع اسی کو مقتضی ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں۔ انتہائی عزیمت کی راہ چلیں۔ چونکہ حضرت یوسفؑ کا ''اذکرنی عند ربک '' کہنا عزیمت کے خلاف تھا، اسلیے عتاب آمیز تنبیہ ہوئی، کہ کئی سال تک مزید قید اٹھانی پڑی۔ اور اسی لیئے انساء کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی۔ الخ

مزید تفصیل کیلیے دیکھیں۔ تفسیر بیضاوی (۴۸۵/۱، دار الکتب العلمیہ)۔ تفسیر ثعالبی (۲۳۹/۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی) تفسیر بغوی (۴۲۸/۲، مطبوعہ دار المعرفہ، لبنان) تفسیر قرطبی (۳۵۴/۱۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ) تفسیر نسفی

(۲۲۱/۳،دارالمعرفہ) تفسیر خازن (۳۱/۳مطبوعہ دارالمعرفہ) تفسیر مظہری (۱۶۵/۵،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۳) وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا با یدیکم الی التھلکۃ (سورۃ البقرۃ ۱۹۵)

مولانا نے فرمایا کہ یہاں ہر کارخیر میں خرچ کرنا مراد نہیں۔ بلکہ خاص احیائے دین متین کی کوشش کرنا اور اسمیں خرچ کرنا مراد ہے۔

اسکی تائید درج ذیل تفسیروں سے ہوتی ہے۔

اخرج ابن جریر الطبری (۲/۲۰۴)من طریق اسلم ابی عمران قال کنا با لقسطنطینیۃ وعلی اھل مصر عقبۃ بن عامر وعلی اھل الشام فضالۃ بن عبید فخرج من المدینۃ صف عظیم من الروم قال وصففنا صفا عظیما من المسلمین فحمل رجل من المسلمین علی صف الروم حتی دخل فیھم ثم خرج الینا مقبلا فصاح الناس وقالوا سبحان اللہ القی بیدہ الی التھلکۃ فقام ابو ایوب الانصاریؓ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا ایھا الناس! انکم تتأولون ھذہ الآیۃ علی ھذا التاویل انما انزلت ھذہ الآ یۃ فینا معاشر الانصار انا لما اعز اللہ دینہ وکثر ناصریہ قلنا فیما بیننا بعضنا لبعض سرا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموا لنا قد ضاعت فلو انا اقمنا فیھا فاصلحنا ماضاع منھا فا نزل اللہ فی کتا بہ یرد علینا ما ھممنا بہ فقال وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا با یدیکم الی التھلکۃ با لاقامۃ التی اردنا ان نقیم فی الاموال ونصلحھا فا مرنا با لغزو فما زال ابو ایوب غا زیا فی سبیل اللہ حتی قبضہ اللہ۔

وھذا الحدیث رواہ ایضا سوی ابن جریر : عبد بن حمید وابو داؤود والترمذی وصححہ والنسائی وابو یعلی وابن المنذر وابن ابی حا تم وابن حبان والحاکم وصححہ والطبرانی وابن مردویہ والبیھقی فی سننہ کما فی الدر المنثور (۱/۵۰۰)

واخرج ابن جریر (۲/۲۰۰) عن حذیفۃؓ قال ھو ترک النفقۃ فی سبیل اللہ۔

واخرج(۲/۲۰۱) عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالی ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ قال لا یقولن احدکم انی لا اجد شیئا ان لم یجد الا مشقصا فلیتجھز بہ فی سبیل اللہ۔

وعن عکرمۃ قال نزلت فی النفقات فی سبیل اللہ۔

وعن الحسن : انھم کا نوا یسافرون ویغزون ولا ینفقون من اموالھم فا مرھم اللہ

ان ينفقوا فی مغازيهم۔ فی سبيل الله ۔

واخرج (۲۰۲/۲) عن الضحاك قال : التهلكة ان يمسک الرجل نفسه وما له عن النفقة فی الجها د فی سبيل الله

مزید تفصیل کیلئے دیکھیں۔تفسیر بغوی (۱۶۴/۲،دارالمعرفہ،لبنان) تفسیر رازی (۱۲۳/۳،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) تفسیر بیضاوی (۱۰۹/۱،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) قرطبی (۲۵۸/۳) تفسیر ابی السعو د(۱۳۷/۱) درمنثور (۴۹۹/۲،مطبوعہ دارالفکر) تفسیر ثعالبی (۴۰۳/۱،مطبوعہ داراحیاء التراث العربی) تفسیر مظہری (۲۱۵/۱،مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) تفسیر قاسمی (۱۳۹/۲)

اس سب سے معلوم ہوگیا کہ آیت کا اصل اور سب سے پہلا محمل تو یہی ہے۔ باقی اسمیں دیگر نفقات واجبہ بھی داخل ہو جائیں تو کچھ مستبعد نہیں ہے۔جیسا کہ دیگر بعض مفسرین کی رائے ہے۔معارف القرآن میں ہے،اس آیت سے فقہاء نے یہ حکم بھی نکالا ہے کہ مسلمانوں پر زکاۃِ فرض کے علاوہ بھی دوسرے حقوق فرض ہیں۔

(۴) آیت قرآنی فاذا قضيت الصلوة فا نتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله (سورة الجمعة ۱۰)

مولانا نے فضل اللہ کی تفسیر گشت وملاقات اور حلقاتِ علم وایمان سے فرمائی۔

عجیب بات یہ ہے کہ حدیث مرفوع میں یہ تفسیر منقول ہے۔فقد اخرج ابن جرير (۶۷/۱۲، مطبوعہ دارالمعرفہ) من حديث انسؓ قال قالﷺ فی قوله تعالی فاذا قضيت الصلوة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله قال ليس لطلب دنيا ولكن عيادة مريض وحضور جنازة وزيا رة اخ فی الله۔تو" زيا رة اخ فی الله "کا ترجمہ گشت وملاقات سے کرنے سے زیادہ صحیح ترجمہ کیا ہوگا؟اور آپﷺ کی تفسیر سے اچھی تفسیر کیا ہوگی؟اور بعینہ یہی تفسیر ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔ ففی الدرالمنثور (۱۶۴/۸ ،مطبوعہ دارالفکر) واخرج ابن مردويه عن ابن عباسؓ فی قوله تعالی " فاذا قضيت الصلوة فا نتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله قال" لم يؤ مروا بشئی من طلب الدنيا انما هو عيادة مريض وحضور جنازة وزيارة اخ فی الله ۔

لیجیے امام المرسلین کے بعد امام المفسرین سے بھی یہی تفسیر منقول ہوگئی۔اب اسمیں تفسیر بالرائے کی گنجائش کہاں بچی؟ نیز روح المعانیؒ (۱۰۳/۱۴،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) میں حلقات علم وایمان سے بھی اسکی تفسیر کی گئی ہے۔نیز تفسیر بغوی (۳۴۵/۴) پر ہے "وقال الحسن وسعيد ابن جبير ومكحول (وابتغوا من فضل الله) هو طلب العلم" نیز درمنثور ہی میں طبرانی کے حوالہ سے اسی آیت کی تفسیر میں یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے: عن ابی امامة ان النبیﷺ قال من صلی الجمعة فصام يو مه وعاد مريضا وشهد نكاحا وجبت له الجنة اس سے بھی معلوم ہوا کہ

فضل اللہ سے اعمال صالحہ مراد ہیں، نہ کہ دنیاوی فضل۔مزید برآں یہ کہ آیت کا اخیر واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون بھی اسکا واضح قرینہ ہے۔نیز اس آخری جملہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ زیارۃ اخ فی اللہ سے رواجی ملاقات مرادنہیں۔ بلکہ وہ ملاقات مراد ہے جوکہ یاد الٰہی میں ممد ومعاون ہو۔اوراہل تبلیغ کا گشت وملاقات کرنا خالصا لوجہ اللہ اورلوگوں کے دلوں میں اللہ کی یاد پیدا کرنے اور انکواعمال صالحہ کا شوق دلانے کیلیے ہی ہوتا ہے۔

نیز قرآن وسنت میں اور بھی بہت سی جگہ فضل اللہ سے اعمال صالحہ اور توفیق خیر مراد لیا گیا ہے۔مثال کے طور پر ان میں سے چند کو پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) ولو لا فضل اللّٰہ علیکم ورحمته لاتبعتم الشیطان الا قلیلا۔

(۲) ولو فضل اللّٰہ علیک ورحمته لهمت طا ئفة منهم ان یضلوك ۔

(۳) وعلمک ما لم تکن تعلم وکا ن فضل اللّٰہ علیک عظیما۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اتنا ہی نہیں کہ اس تفسیر کی بھی گنجائش ہے، بلکہ یہی تفسیر قوی معلوم ہوتی ہے۔

مزید کیلیے دیکھیے تفسیر بیضاوی (۴۹۳/۲،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) تفسیر ثعالبی (۴۳۱/۵،مطبوعہ داراحیاء التراث العربی)تفسیر خازن (۴۶۸/۴،مطبوعہ دارالمعرفہ)تفسیر مظہری (۲۹۷/۹،مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)فتح القدیر (۲۲۸/۵،مطبوعہ دارالوفاء المنصورہ)تفسیر نسفی (۲۶۸/۴،مطبوعہ دارالمعرفہ) روح البیان (۵۲۵/۹) زادالمسیر (۲۸۴/۴) اللباب فی علوم الکتاب (۹۲/۱۹) روح المعانی (۱۰۳/۱۴،مطبوعہ دالکتب العلمیہ) تفسیر ابی السعود (۷۶/۸)

(۵) آیت قرآنی: ولذکر اللہ اکبر (سورۃ العنکبوت/۴۵)

اس کی تفسیر میں مولانا سعد صاحب نے فرمایا کہ اللہ کا بندہ کو یاد کرنا مراد ہے۔

اب ذیل میں ہم ان مفسرین کی عبارات مع حوالوں کے پیش کرتے ہیں،جن سے مذکورہ تفسیر منقول ہے۔

اخرج ابن جریر فی تفسیره بسنده (۱۵۶/۲۰) عن عبد الله بن ربیعة قال قال لی ابن عباسؓ هل تدری ما قوله ولذکر الله اکبر ؟قال قلت نعم قال فما هو ؟ قال قلت التسبیح والتحمید والتکبیر فی الصلوة وقراء ةالقرآن ونحو ذلک قال لقد قلت قولا عجیبا وما هو کذلک ولکنه انما یقول ذکر الله ایاکم عند ما امر به اونهی عنه اذاذکرتموه اکبر من ذکرکم ایاه ۔

وفی روایة اخری : لقد قلت قولا عجیبا وما هو کما قلت ولکن ذکر الله ایاکم اکبر من ذکرکم ایاه ۔

وفی روایة :ذکر الله للعبد افضل من ذکره ایاه۔

وفی اخری :ولذکر الله لعباده اذا ذکروه اکبر من ذکرکم ایاه ۔

وفی روایۃعنه قال : هو كقوله اذكرونی اذكركم فذكر الله ایا كم اكبر من ذكركم ایاه۔

یہ تمام روایات اور اسکے علاوہ بھی دوسری روایات سب ابن عباس ؓ سے منقول ہیں۔جن کو ان سے انکے متعدد تلامذہ نقل کرتے ہیں۔

واخرج ابن جریر ایضا (۱۵۷/۲۰) بسنده عن ابن مسعود : (ولذكر الله اكبر) قال ذكر الله العبد اكبر من ذكر العبد لربه ۔

واخرج ایضا بسنده عن سلمان الفارسیؓ (ولذكر الله اكبر)قال ذكر الله ایاكم اكبر من ذكركم ایاه۔

وهكذا رواه ابن جریر عن ابی الدرداءؓ وعن عكرمة وعطیة ومجا هد وابی قرة وشعبة۔

وهكذا رواه عن ابن عباسؓ : ابن المنذر وابن ابی حا تم والفریابی وسعید ابن منصور والحاكم وصححه والبیهقی فی شعب الایمان ۔

وروایة ابن مسعود اخرجها سوی ابن جریر : ابن ابی شیبة وعبد الله بن احمد بن حنبل فی زوائد الزهد ۔

وتفسیر عطیة رواه ابن ابی الدنیا والبیهقی ایضا ۔

وتفسیر مجاهد رواه عبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حا تم ایضا ۔

وروی هذا التفسیر ابن السنی وابن مردویه والدیلمی عن ابن عمرؓ ایضا ۔

ورواه عبد بن حِمید عن الحسن ایضا ۔كما فی الدر المنثور (۴۶۶/۶،۴۶۷)

وروی تفسیر ابن عباس عبد الرزاق ایضا فی تفسیره (۹/۳)

وانظر للمزید تفسیر مجاهد (۴۹۵/۱، *مطبوعہ وزارت اوقاف،قطر*) تفسیر سمرقندی (۶۳۵/۲، *مطبوعہ دارالفکر،لبنان*) تفسیر ثعالبی (۲۹۶/۴، *مطبوعہ داراحیاء التراث العربی*) تفسیر نسفی (۴۲۳/۳، *مطبوعہ دارالمعرفہ*)تفسیر خازن (۴۲۳/۳،*مطبوعہ دارالمعرفہ*) تفسیر ابن کثیر (۱۷۷۹/۱،وزارت الاوقاف،قطر) تفسیر مظهری (۲۰۷/۷ *مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ*)*تفسیر قرطبی*(۲۳۱/۱۳،*مطبوعہ دارالکتب العلمیہ*)*تفسیر بیضاوی* (۲۱۱/۲،*مطبوعہ دارالکتب العلمیہ*)*فتح القدیر*(۲۷۸/۴،*مطبوعہ دارالوفاء المنصورہ*)*در منثور* (۲۶۶/۶،*مطبوعہ دارالفکر*)

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو تفسیر صحابہ میں سے ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابو درداؓ، اور سلمان فارسیؓ، اور ابن عمرؓ سے، اور تابعین میں سے عکرمہ، مجاہد، حسن بصری، ابوقرۃ، اور عطیہ سے، اور انکے بعد والوں سے بھی منقول ہو، اور جو تفسیر کی بیسیوں کتابوں میں موجود ہو، اور پچاسوں راویوں نے اسکو نقل کیا ہو، وہ بھی اگر تفسیر بالرائے ہے، تو تفسیر ماثور کسے کہیں گے؟ بلکہ اس تفسیر کے قائلین

کی کثرت اور دیگر تفسیروں کے قائلین کی قلت کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جمہور سلف کی یہی تفسیر ہے۔اسی وجہ سے بہت سے مفسرین نے اسی تفسیر کے راجح ہونے کی صراحت یا اشارہ کیا ہے۔امام ابن جریر کی صراحت کا ملاحظہ فرمائیں۔واشبــه هـذه الاقـوال بمادل عليه ظا هر التنزيل قول من قال ولذكره اياكم افضل من ذكركم اياه ۔

نیز یہ تفسیر بقول حضرت ابن عباسؓ کے تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔جوارحج التفاسیر ہوتی ہے۔

نوٹ: چونکہ تفسیر بالرائے اور انبیاء کی شان میں بے ادبی کے الزام کسی بھی مسلمان کے حق میں بہت شدید ہیں،اسی وجہ سے انکے جواب میں قدرے تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔

بحمدللہ تفاسیر اہل العلم کے مقارنہ سے یہ بات صاف اور واضح ہوگئی کہ حضرت مولانا ان دونوں اتہاموں سے بری ہیں كبرأة الذئب من دم يوسف۔

نیز اس سب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ مولانا کی تفسیریں تو نقل کی بنیاد پر ہیں،اپنے اجتہاد کی بنیاد پر نہیں۔جو کہ تفسیر کا چھٹا ماخذ ہے۔چہ جائیکہ وہ تفسیر بالرائے ہوتیں۔

اعتراض(۳) کیمرے والے موبائل سے متعلق مولانا کے نظریات۔

جواب۔ مولانا نے کیمرے والے موبائل سے متعلق جو بہت سخت تبصرے کیے ہیں،جن میں بعض تبصرے فتوے کی شکل اختیار کر گئے ہیں،مولانا نے ان سے رجوع کرلیا ہے۔البتہ اس سلسلہ میں جو آڈیو، یا اقتباسات،جس تسلسل کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں،وہ قطع وبرید سے خالی نہیں ہیں۔مثلاً علمائے سوء والی بات کی اصل عبارت یہ ہے’’علمائے سوء ہیں،علمائے سوء ہیں وہ لوگ،جنھوں نے مشتبہ چیزوں میں تساہل برتا ہے‘‘(بلفظہ)واضح رہے کہ مولانا کا نظریہ کیمرے والے موبائل سے متعلق وہی ہے جو تمام علمائے حقہ کا ہے، کہ اسکا بے جا استعمال انتہائی مضر ہے۔خصوصاً ان عوام کیلیے جو اسکے نقصانات سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے۔طلبہ کیلیے دارالعلوم، مظاہر علوم،اور ندوۃ العلماء وغیرہ میں سخت پابندی اسکی بین دلیل ہے۔اور عوام الناس موبائل پر موجود رطب ویابس مضامین پر قناعت کی وجہ سے صحبت علماء سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔اور صحیح بات تک پہونچنے کا راستہ بند ہوتا جارہا ہے۔

اعتراض(۴) ہر مسلمان پر قرآن سمجھ کر پڑھنا واجب ہے۔

جواب۔ وجوب کے اس قول سے مولانا نے رجوع کرلیا ہے۔البتہ مولانا کی شدت(لفظ وجوب سے رجوع کے ساتھ)دراصل ان تبلیغی احباب پر نکیر ہے،جو غلط فہمی سے اپنی اپنی مساجد میں تفسیر کی مخالفت کر بیٹھے۔اور حلقات تفسیر یہ کو اس کام کے منافی خیال کیا۔

اعتراض(۵) جدید آلالت اور رواجی چیزوں کے ذریعہ تبلیغ سے روکا جاتا ہے۔

جواب۔ یہ مولانا سعد صاحب کی اپنی کوئی بات نہیں ہے۔بلکہ یہ اس کام کا قدیمی اصول ہے۔تذکرہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ (ص۱۰۵) پر مولانا منظور نعمانیؒ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:اس کام کی تعمیم کیلیے رواجی طریقوں،اخبار، اشتہار،پریس وغیرہ،اور رواجی الفاظ سے بھی پورے پرہیز کی ضرورت ہے۔یہ کام سارا غیر رواجی ہے۔رواجی طریقوں سے رواج کو

تقویت پہونچے گی۔اس کام کو نہیں۔اھ

اعتراض (۶) بعض بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک تبلیغ کا یہ کام اصلاح نفس کیلیے کافی ہے۔

جواب۔ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ مولانا کے اس نظریہ کی تائید مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے اس وعظ سے ہوتی ہے۔جس کو حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات میں (ص۱۱۴ تا ۱۱۶) پر تحریر فرمایا ہے۔ اسکے بعض اقتباسات عرض ہیں۔

"بہرحال اصلاح نفس کے چار جز،اور چار طریقے ہیں۔اور تبلیغ کے اندر حسن اتفاق سے چاروں طریقے جمع ہو گئے ہیں۔ صحبت صالح بھی ہے، ذکر وفکر بھی ہے،مواخاۃ فی اللہ بھی ہے،اور محاسبۂ نفس بھی ہے۔اور انہی چاروں مجموعوں کا نام تبلیغی جماعت ہے۔عام لوگوں کیلیے اصلاح نفس کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہوسکتا۔اس طریقۂ کار سے دین عام ہوتا جا رہا ہے" (مزید تفصیل حوالۂ مذکور میں دیکھی جاسکتی ہے)

نیز حضرت مولانا مدظلہ کا منشا اس طرح کے بیانات سے یہ ہے کہ تبلیغی چلت پھرت میں علم وذکر کا خوب اہتمام کیا جائے۔ ہمارا خروج علم وذکر سے خالی نہیں ہونا چاہیے، ورنہ تو یہ کام ایک رسم بن کر رہ جائیگا۔حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو بھی اسکا بہت قلق تھا کہ کام کرنے والوں میں علم وذکر کی بہت کمی ہے۔

اسی سلسلہ میں مولانا سعد صاحب نے بعض اوقات مرکز میں کام کے شدید تقاضہ کی وجہ سے بعض احباب کو اسی طرف متوجہ کیا، کہ اسوقت مرکز میں رہ کر دعوت وعبادت دونوں کو جمع کرنا زیادہ مفید اور افضل ہے۔

اعتراض (۷) نقل وحرکت توبہ کی تکمیل کیلیے ہے۔یہ شرط لوگ بھول گئے۔

جواب۔ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ مولانا کے مجموعۂ کلام سے جو بات سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ نقل وحرکت تکمیل توبہ کیلیے شرط ہے۔تحقق توبہ کیلیے نہیں۔تاہم لفظ" شرط" اور" بھول گئے" کی تعبیر سے جو اشکال پیدا ہوتا ہے،اسکے سبب مولانا مدظلہ نے اس تعبیر سے رجوع کرلیا ہے۔بلکہ دوسال پہلے بھوپال کے اجتماع میں یہ تعبیر اختیار کی کہ یہ چوتھی بات تو ایک عالم ہی بتا سکتا ہے، عابد نہیں بتا سکتا۔رہی یہ بات کہ اس چوتھی بات کی اہمیت اور اسکا مرجع کیا ہے؟ تو اسی (یعنی سو قتل سے توبہ کرنے والے سے متعلق) حدیث کی شرح میں قاضی عیاض (اکمال المعلم ج۸،ص۲۶۹،دارالوفاء المنصورہ) پر تحریر فرماتے ہیں" فيه الحض على مفارقة الانسان المواضع التی اصاب فيها الذنوب، والاقران الذين ساعدوه عليها ومعاداتهم لله تعالى مبالغة فی التوبة وقطع علائقها والاستبدال بذلك صحبة اهل الخير والصلاح ومن يقتدی به ويتأكد بمشاهدته توبته"

اورامام نوویؒ شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں(۳۵۹/۲)قال العلماء :فی هذا استحباب مفارقة التائب المواضع التی اصاب بها الذنوب، والاخدان المساعدین له علی ذلک ومقا طعتهم ما داموا علی حا لهم وان یستبدل بهم صحبة اهل الخیر والصلاح والعلماء والمتعبدین الورعین ومن یقتدی بهم وینتفع بصحبتهم وتتأ کد بذلک تو بته ۔

علماء کی ان عبارات سے تو بہ کیلیے خروج کی اہمیت پورے طور پر واضح ہوگئی۔البتہ یہ خیال کہ توبہ کیلیے صرف تین شرط ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے، درست نہیں۔فتح الباری اور قسطلانی وغیرہ میں عبداللہ ابن مبارکؒ وغیرہ سے توبہ کی اور شرطیں بھی نقل کی گئی ہیں۔

اعتراض(۸) زنا کار لوگ تعلیم قرآن پر اجرت لینے والوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔

جواب۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ مولانا سعد صاحب کا قول نہیں ہے، بلکہ یہ حضرت عمرؓ کا اثر ہے۔جو حیاۃ الصحابہ(۳۳۳/۳) میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:یا اهل العلم والقرآن ! لا تأخذوا للعلم والقرآن ثمنا فتسبقکم الزناة الی الجنة ۔

البتہ مولانا کا معمول یہ ہے کہ اسے نقل کرنے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ:تنخواہ وغیرہ تعلیم کا بدل اور اجرت نہیں ہے، بلکہ حبسِ وقت وغیرہ کا بدل ہے۔معترض نے اس اثر عمرؓ کو مولانا کی طرف منسوب کرکے اور مولانا کی مذکورہ بالا پوری بات کو حذف کر کے خود مولانا پر اعتراض بنادیا۔

ملاحظہ:یہ اثر حیاۃ الصحابہ اور اس کا ماخذ کنز العمال میں زناۃ (جمع زان) کے لفظ سے مذکور ہے۔البتہ کنز کا ماخذ خطیب کی الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع کے موجودہ نسخے میں دناۃ (جمع دنی) ہے۔اور یہ نسخے کا اختلاف معلوم ہوتا ہے۔لیکن شاید راجح زناۃ ہی ہے جیسا کہ مستغفری کی فضائل القرآن میں(رقم ۲۰ پر)یہ اثر لفظ زناۃ (جمع زان) کے ساتھ آیا ہے۔واللہ اعلم بالصواب

اعتراض(۹)ہدایت ملنے کی جگہ مسجد کے سوا کوئی نہیں۔

جواب۔ اس عبارت میں تسامح ہے ۔ صحیح بات اسطرح ہے کہ ہدایت ملنے کی اصل جگہ مسجد ہے ۔ جیسا کہ آیت قرآنی انمایعمرمساجداللّٰه من آمن باللّٰه والیو م الآخرواقام الصلاۃواتی الزکاۃولم یخش الااللّٰه فعسی اولئک ان یکونوا من المهتدین۔اورآیت قرآنی نورعلی نوریهدی اللّٰه لنوره من یشاء ویضرب اللّٰه الامثال للناس واللّٰه بکل شئ علیم فی بیوت اذن اللّٰه ان ترفع ویذکر فیه اسمه یسبح له فیها بالغدووالاصال رجال لاتلهیهم تجارۃ ولابیع عن ذکراللّٰه الایة۔ میں اسکی طرف واضح اشارہ ہے۔نیز آیت قرآنی(ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا وهدی للعلمین)میں بیت اللہ کو جوکہ تمام مساجد کی اصل ہے پورے عالم کیلیے ہدایت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

اعتراض(۱۰)غیر نبی کےخرقِ عادت امور پر معجزہ کا اطلاق۔

جواب۔ اس مسئلہ میں ہم نے مولانا مدظلہ سے گفتگو کی، تو انھوں نے فرمایا، میری مراد اس سے یہ تھی کہ حق تعالیٰ کی غیبی مددیں ظاہر کے خلاف انبیاؑء کیلئے ظاہر ہوئی تھیں، وہ انبیاءؑ کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ انبیاءؑ کی دعوت پر قیامت تک حق تعالے کی ظاہر کے خلاف مددیں ظاہر ہوتی رہیں گی۔اور مزید انھوں نے فرمایا کہ معجزے کی اصطلاح متقدمین کے یہاں علی الاطلاق خرق عادت کے طور پر ہے۔اور تخصیص یہ متاخرین کی اصطلاح ہے۔چنانچہ مولانا کے اس کہنے کے بعد تلاش کیا گیا تو ابن ابی العز الحنفی کی شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں (۴۹۴/۱) پر یہ عبارت ملی " فالمعجزة فی اللغة تعم كل خارق للعادة وكذلك الكرامة فی عرف ائمة اهل العلم المتقدمين ولكن كثير من المتأخرين يفرقون فی اللفظ بينهما فيجعلون المعجزة للنبی والكرامة للولی" تاہم اسکے باوجود مولانا سے درخواست کی گئی کہ متاخرین علماء کی تخصیص کی رعایت کر لی جائے، تو اسمیں غلط فہمیوں سے حفاظت ہے۔تو مولانا نے قبول فرمالیا۔

اعتراض(۱۱)ایک اعتراض مولانا پر یہ کیا جاتا ہے، کہ وہ کبھی کہتے ہیں خارجی لقمہ لیا جائے گا، اور کبھی کہتے ہیں کہ نہیں لیا جائے گا۔

جواب۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ خارجی لقمہ لیا جائے گا، یعنی مسائل شرعیہ میں، اور نہیں لیا جائے گا، یعنی کام کے اصول اور نہج اور داخلی انتظامی امور میں۔قاری محمد طیب صاحبؒ کے اس بیان سے اس امر پر مزید روشنی پڑتی ہے، جس کو حضرت شیخؒ نے رسالہ "جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات" کے (ص/۹۱) پر نقل کیا ہے، فرمایا کہ: اعتراضات تو وہ قابل قبول ہیں، جو کام میں گھس کر کیے جائیں، اور جو باہر بیٹھ کر اعتراضات کرے، وہ قابل قبول نہیں ہوا کرتے۔اگر اندر گھس کر کوئی اعتراض کرے، تب تو ٹھیک ہے، لیکن اندر گھسنے والا کوئی اعتراض کرتا نہیں، کیونکہ داخل ہونے کے بعد اسے کام کا فائدہ معلوم ہو جاتا ہے۔اھ

اعتراض(۱۲) سنت کی تقسیم میں نئی اصطلاح۔

جواب۔ حضرت مولانا مدظلہ نے اتباع سنت کی دعوت دیتے ہوئے یہ فرمایا: "ہمیں ہر چیز میں سنت کا اتباع کرنا چاہیے: دعوت میں، عبادت میں اور عادات میں۔لہٰذا ہمیں اہتمام کرنا چاہیے سنتِ دعوت، سنتِ عبادت اور سنتِ عادت کا۔"

معترض کہتا ہے کہ ہم نے فقہا کے یہاں ۲/قسمیں پڑھی ہیں: سنتِ عبادت، سنتِ عادت۔ یہ تیسری قسم: سنتِ دعوت کہاں سے آئی؟

محترم! فقہا جسے "سنن ہدیٰ" کہتے آئے ہیں دراصل یہ اسی کا ترجمہ، تشریح یا تعبیر بصورتِ تقسیم ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ "تواتر" کی اقسام اربعہ، جب سب سے پہلے علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیں۔تو علما نے ان کی تقسیم پر انہیں خراج تحسین پیش کیا نہ کہ اعتراض اور بے جا انتقاد۔علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔(فتح الملہم :۶/۱) میں رقم طراز ہیں: واول من ربع القسمة، وسمى كل قسم باسمه۔فيما نعلم۔الشيخ العلامة الانور۔اطال اللّٰه

بقاء ہ۔وھوتقسیم حسن۔ واللہ اعلم ۔یعنی سب سے پہلے تواتر کی اقسام اربعہ بیان کرنے والے۔ جہاں تک میرا علم ومطالعہ ہے حضرت العلامہ انورشاہ کشمیری ہیں۔اللہ ان کے سایہ کو تادیر قائم رکھے۔حضرت کی یہ تقسیم ایک بہتر تقسیم ہے۔الخ

نیز عرض یہ ہے کہ اگر معترض کا خیال یہ ہے کہ دعوت،سنت سے خاج ہے تو یہ خیال بالکل غلط ہے۔فقد قال اللہ تعالی: قل ھذہ سبیلی ادعوالی اللہ علی بصیرۃ أناومن اتبعني۔ قال ابن کثیر: ای ان ھذہ طریقتہ ومسلکہ وسنتہ۔

اوراگر معترض کا اعتراض صرف اتنا ہے کہ سنن ھدی کو تقسیم کرنے کی ضرورت کیا پیش آئی تو اس کا جواب واضح ہے کہ اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کو مستقل ایک قسم قرار دیا گیا جیسا کہ مذکورہ آیت سے واضح ہے۔

اعتراض(۱۳) عصری تعلیم اورسائنس تمہیں گمراہ کردے گی۔

جواب۔ تعجب ہے!علما(اگر چہ وہ بعض یا ایک ہی صحیح)عصری تعلیم کے ہدایت ہونے کی شہادت دیں گے،تو پھر مغرب (انگریزوں) کا کام کیارہ جائے گا!!!؟

ڈسے ہوئے سے زہر کا مزہ پوچھو :

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں’’ مغربی فلسفیوں اور مادہ پرست فرنگیوں نے اپنی تاریخی ، بلکہ طبی کتابوں تک سے اسلام کوداغ دار کرر کھا ہے‘‘(معاصرین : ۲۷) ۔مولانا کی دوسری کتاب (سیاحت ماجدی ۱۰۵/) میں ہے’’لائبریری میں ایک کتاب نظر پڑی ،موضوع مذہب نہیں ،تاریخ وادب تھا،دنیا کے مشاہیر کے ادب پارے اس میں جمع تھے،قرآن کے اقتباسات بھی، اسی کتاب میں پورے صفحہ پر تصویر نعوذ باللہ عرب مصنف قرآن کی یعنی ہمارے حضوراکرم ﷺ کی درج تھی ۔اور یہ نہ پوچھیے کہ کس درجہ زہرمیں بجھی ہوئی تھی ،صاف ایک جلادقسم کے ڈاکو کی معلوم ہوتی تھی ۔نیچے تصویر کا تاریخی حوالہ بھی درج تھا‘‘

’’دوسری کتاب جسکا موضوع بھی مذہب نہیں ، بلکہ طب تھا،بد بخت نے یہ کمال کیا تھا کہ مرض صرع(epilepsy) کا بیان کرتے کرتے ایک دم سے بیان اسمیں یہ لے آیا کہ انبیاء کی بعض مشہورترین اورعظیم ترین ہستیاں بھی اس قسم کے مرض میں مبتلاء رہی ہیں۔چناچنہ نزول وحی کے وقت کے آثاروعلامات کا شمار آثار مرض میں کرڈالا ‘‘

ڈسے ہوئے کی چیخ۔

حضرت مولانارقم طراز ہیں’’اب فرمائیے کہ ایک سادہ مسلم نوجوان کے دل ودماغ پر پیہم حملے جب اسی قسم کے ہونگے ،تو وہ بے چارہ اپنے ایمان کو کب تک سلامت رکھ سکتا ہے؟ نتیجہ قدرتا وہی نکلا جو نکلنا تھا،قلب میں الحاد،اور ارتیاب پیوست ہوگیا۔اور دماغ اپنے آپکو مسلم کہلانے کے بجائے نیشنلسٹ،ایگناسٹک کہلانے میں فخرمحسوس کرنے لگا ‘‘

یہ گفتگو اعتراض کی حقیقت کے طور پر تحریر کردی گئی ہے، ورنہ حضرت مولانا مدظلہ کا موضوع عصری تعلیم کے گمراہ کن ہونے کو بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ عصری تعلیم پر اکتفا کرنا، اور اپنے کو پڑھا لکھا سمجھ کر علوم نبوت سے بے بہرہ رہنا، اور علما کی صحبت اختیار نہ کرنے کو غلط اور گمراہی قرار دینا ہے۔

اعتراض (۱۴) دعوت الی اللہ کی ترتیب کیلیے عشاء کی نماز کو دیر تک مؤخر کردیا، گویا دعوت اصل مقصود ہے، اور دعوت کی اہمیت نماز سے زیادہ ہے!۔

جواب۔ اس سلسلہ میں اطلاعا عرض ہے کہ عشا کی نماز کو ثلث لیل تک مؤخر کرنا ہی حنفیہ کے یہاں مستحب ہے۔ یہی مرکز کا عام طور سے معمول ہے۔ اور اس سے زیادہ کی تاخیر شاید کبھی نہیں ہوئی، مگر معمولی۔ حالانکہ تاخیر الی نصف اللیل بلا کراہت جائز ہے۔ ویسے اس سلسلہ میں حیاۃ الصحابۃ (۱۸۱/۳) کا ایک باب بھی پیش ہے: اشتغال الامام بحوائج المسلمین بعدالاقامۃ، اخرج عبدالرزاق عن اسامۃ بن عمیرؓ قال کانت الصلوۃ تقام فیکلم الرجل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی حاجۃ تکون لہ فیقوم بینہ وبین القبلۃ فما یزال قائما یکلم فربما رائیت بعض القوم ینعس من طول قیام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کذافی الکنز۔ واخرج عبدالرزاق ایضا و ابوالشیخ فی الاذان عن انسؓ مثلہ کمافی الکنز و عندابن عساکر عن انس ان الصلوۃ کانت تقام بعشاء الآخرۃ فیقوم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مع الرجل یکلمہ حتی یر قد طوائف من الصحابۃ ثم ینتبہون الی الصلوۃ۔ کذافی الکنز۔

واضح رہے کہ یہ استدلال حضرت مولانا یوسفؒ کا ہی نہیں ہے بلکہ اس حدیث سے اسی طرح کا استدلال امام بخاری کر چکے ہیں۔ دیکھئے کتاب الاذان میں باب الامام تعرض لہ الحاجۃ بعد الاقامۃ اور باب الکلام اذا اقیمت الصلوۃ اور کتاب الاستیذان میں باب طول النجوی۔ حافظ ابن حجر باب اول کی شرح میں فرماتے ہیں: وفیہ جواز الفصل بین الاقامۃ والاحرام اذاکان لحاجۃ۔

اعتراض (۱۵) اجتماعی اعمال کے ذرات کو انفرادی اعمال کا پہاڑ بتایا جاتا ہے۔

جواب۔ تو اسمیں تعجب اور تحیر کی کیا بات ہے!؟ انفرادی اعمال آدمی کی ذات تک محدود رہتے ہیں۔ اور اجتماعی اعمال کا نفع ساری امت اور انگنت انسانوں کو ہوتا ہے، مثلا مدارس میں ''اجتماعی عمل'' اسباق ہیں۔ اگر کوئی طالب علم سبق چھوڑ کر نماز، تلاوت، ذکر اور تسبیح میں مشغول ہو جائے، اور کوئی استاذ اسے نصیحت کرتے ہوئے یوں کہے: عزیز من! انفرادی اعمال کا ایک پہاڑ اجتماعی عمل یعنی سبق کے ایک ذرہ کی برابری نہیں کرسکتا، تو اسمیں غلط کیا ہو گیا؟

اسی طرح اگر کوئی شخص ''اجتماعی نماز'' چھوڑ کر انفرادی طور پر ہزار بار بھی پڑھ لے، تو یہ پہاڑ اس ذرہ کا مقابلہ نہیں، اور کبھی نہیں کرسکتا۔

دراصل اکیلے دین پر چلنا، اور مجتمع ہوکر دین پر چلنا، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔آج یہ ملحوظ نہیں رہا۔حتی کہ اجتماعی اعمال ہی ختم ہوکر رہ گئے۔یا محدود ہوکر رہ گئے۔اور اللہ رب العزت کی وہ مددیں، جو من حیث الامہ تھیں رک گئیں۔واﷲاعلم۔

واضح رہے کہ اس قول کے قائل حضرت مولانا مدظلہ نہیں ہیں، بلکہ ناقل ہیں یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے منقول ہے۔اور راوی مفتی زین العابدینؒ ہیں شیخ نے ان کو خط میں یہ لکھا تھا۔اس کو انہوں نے رائیونڈ میں بیان کیا تھا۔

اعتراض(۱۶) طریق نبوت،اور طریق ولایت کو الگ الگ بیان کرنا۔

جواب۔ اسمیں اعتراض کی کیا بات ہے؟ طریق ولایت دراصل اپنی ذات پر محنت کرنے کا نام ہے۔اور طریق نبوت اپنی ذات پر محنت کرنے کے ساتھ ساتھ امت پر محنت کرنے کو کہتے ہیں ۔دراصل اس مضمون کا اصل ماخذ حضرت مجدد صاحبؒ کے مضامین وتحریرات ہیں۔اور حضرت کے افادات اسقدر اہم ہیں کہ علما نے انھیں اپنی تفسیروں تک میں جگہ دی ہے۔دیکھیے قاضی ثناء اللہ صاحبؒ تفسیر مظہری (ج ۶ص ر۱۵۷) میں تحریر فرماتے ہیں'' قالوا مقتضی الولایۃ: الاستغراق والتوجه الی الله سبحانه وتعالی ومقتضی النبوة التوجه الی الخلق، والتحقيق ما حقق المجدد الالف الثانیؒ ان النبوة هی الافضل من الولایة .... بل التوجه الی الخلق لما كان باذن الله سبحانه وتعالی وعلی حسب امره ومرضاته فهو ايضا فی المعنی: التوجه الی الله سبحانه وتعالی۔

فانی فی الوصالی عبید نفسی وفی الهجران مو لی للموالی

یعنی ولایت کا مقتضیٰ اللہ جل شانہ کے ساتھ ہمہ تن مشغول رہنا ہے،اور نبوت کا تقاضہ یہ ہے کہ خلق خدا کے ساتھ بھی مشغول رہے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہی دوسری بات زیادہ افضل وبہتر ہے۔کیونکہ جب خلق خدا کیساتھ مشغول ہونا، بموجب امر الٰہی ہی ہے،اور اسی کی رضا کیلیے ہے، تو یہ بھی معنی توجہ الی اللہ ہے۔

قاضی صاحبؒ اس امر کی علتِ افضلیت کی طرف لطیف اشارہ فرمارہے ہیں کہ خلق خدا کیساتھ مشغول ہونا (دعوت الی اللہ کے ذریعے) نفس پر بار ہے، بمقابلہ حق تعالی کے ساتھ مشغول ہونے کے (عبادت کے ذریعہ)

ترجمۂ شعر عربی: جب مجھے محبوب کا وصال حاصل ہوجاتا ہے،تو اسوقت میں حقیقتا اپنے نفس کا غلام ہوتا ہوں۔اور جب ہجر میں اسے یاد کرتا ہوں،اور تڑپتا ہوں تو واقعتاً محبوب کا غلام معلوم ہوتا ہوں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ عبادتیں لذیذ معلوم ہوتی ہیں، بمقابلہ کسی مسلمان کی خوشامد کرنے،اور اسے اللہ سے ملانے کے۔

آج طریقۂ نبوت کی افضلیت کا بتلانا، بلکہ جھنجھوڑ کر امت کو اسکی طرف لانا وقت کا اہم تقاضہ ہے۔مسلمانوں کی حالت،انکے اپنے دین کے حوالہ سے بد سے بدتر ہوچکی ہے۔اور اس حال زبوں پر رونے والوں کا قحط آیا ہوا ہے۔سچ فرمایا تھا عارف تھانویؒ نے اللہ انکی قبر پر اپنی رحمت کی لاکھوں پھواریں برسائے۔''مسلمانوں میں دعوت الی اللہ کا باب ہی گم ہوگیا ہے۔حتی کہ جہاں قدرت ہے وہاں بھی نہیں۔اور جہاں قدرت نہیں، وہاں کا تو پوچھنا ہی کیا؟۔ہمارے بزرگ وہ تھے،کہ جہاں قدرت نہ تھی، وہاں بھی دعوت الی

الحق سے باز نہ رہتے۔اور ہم ہیں کہ قدرت کی جگہ بھی نہیں کرتے‘‘(تجدید تعلیم وتبلیغ:۱۹۸،۹۹)

اعتراض(۱۷)یہ بات بھی سننے میں آئی کہ موجودہ تبلیغ،اکابر ثلاثہ کے نہج سے ہٹ گئی۔اوراب اسکے گمراہی کا سبب بننے کا خطرہ ہوگیا ہے۔

جواب۔ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ اعتراض کوئی نیا نہیں ہے۔قریب قریب ہر دور میں یہ اعتراض دھرایا جاتا رہا ہے۔چنانچہ حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے رسالہ’’جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات‘‘میں(۱۸نمبر)پر یہی اشکال،اوراسکا جواب مرقوم ہے۔جسکے بعض اقتباسات پیش ہیں۔

حضرت شیخ(ص۱۱۶)پرفرماتے ہیں’’میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا موجودہ دارالعلوم دیوبند اسی طرز پر باقی ہے،جو حضرت نانوتوی قدس سرہ،اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے دور میں تھا؟کیا مظاہر علوم سہارن پوراب اسی طریقہ اوراصول پر ہے،جو حضرت مولانا احمد علی صاحب نوراللہ مرقدہ۔اور حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نوراللہ قدہ کے دور میں تھا؟کیا موجودہ جمعیت علمائے ہندوہی جمعیت ہے،جو حضرت شیخ الہندؒاور مولانا کفایت اللہ صاحب کے دور میں تھی؟کیا موجودہ خانقاہیں وہی ہیں،جو حضرت حاجی صاحبؒاور حضرت گنگوہیؒ کے زمانے میں تھیں،اوراگر وہ نہیں ہیں تو کیا ساری گمراہی وضلالت ہیں؟تو کیا یہ سارے ہی ادارے اوران جیسے سارے ہی ادارے اب ضلالت وگمراہی بن گئے؟حضورﷺ کامشہور ارشاد ہے کہ میرا زمانہ سب سے بہتر زمانہ ہے،پھر اسکے بعد کا زمانہ،پھر اسکے بعد کا زمانہ۔اسلیے خیر القرون سے جتنا بھی بعد ہوتا جائیگا ظاہر ہے کہ وہ صلاح وفلاح خیر وبرکات ہرگز نہیں رہ سکتیں جو سید الکونینﷺ کے دور میں تھیں۔تو کیا اب اسلام کو ضلالت وگمراہی کہا جائیگا؟اورآگے فرماتے ہیں’’اکابر کے دور کی برکات اوران کے انوار بعد میں ڈھونڈنا یا بعد والوں کو انکے معیار پر جانچنا،نادانی کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟

اسی ذیل میں آگے فرماتے ہیں(ص۱۱۸) پرحضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہ نے اپنے ایک ملفوظ میں فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ہم اپنی وضع پر نہیں رہے۔ہم اپنے بزرگان سلف کی سوانح دیکھتے ہیں کہ انکا برتاؤ دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے تھے(افاضات یومیہ)کیا خدانخواستہ نعوذ باللہ خانقاہ اشرفیہ حضرت تھانویؒ کے دور میں ضلالت وگمراہی بن گئی تھی؟جبکہ وہ اپنے اکابر کے طرز پر نہیں رہی تھی۔یہ ناکارہ اپنے رسالہ آپ بیتی جلد اول کے ختم پر اپنے اکابر اوراسلاف کا طرز،مدارس کے معاملے میں اور اوقاف کے سلسلہ میں کئی واقعات لکھ چکا ہے۔جن پر عمل تو درکنار موجودہ اہل مدارس کے حلق کے تلے بھی نہیں اترتے۔تو کیا ان سب مدارس کو گمراہی کہدیا جائیگا،جنکا وجود موافق ومخالف سب کے نزدیک نہایت ضروری ہے۔ان سب کے باوجود مجھے نہ تبلیغ والوں کو معصوم بتانا ہے،نہ انکی بیجا حمایت کرنی ہے،نہ انکی غلطیوں سے انکار ہے۔اھ۔

اعتراض (۱۸) ایک اعتراض یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کے اس کام کی اہمیت کو اس طرح سے بیان کیا جارہا ہے، جس سے دین کے دیگر شعبوں کا استخفاف ہورہا ہے۔

جواب۔ اس سلسلہ میں مولانا سعد صاحب کے وہ بیانات کافی ہیں جوعلم اور علماءاور مدارس دین کے بارے میں نہایت اہتمام کے ساتھ کئے گئے ہیں جن کارکارڈ ہرجگہ محفوظ ہےاور مرکز بنگلہ والی میں جماعتوں کی روانگی کے وقت اکثر ہوتے ہیں اس سے اندازہ لگانا آسان ہے کہ دعوت وتبلیغ کےاس کام کی اہمیت کےساتھ دین کے دیگر شعبوں کا کمال اہتمام مولانا کے بیانات میں کس قدر ہوتا ہے جس کے بعد مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔

فقط